© rasailojaraid.com

میری تمام سرگزشت............

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ اس وقت برصغیر کے سب سے بڑے جلیل القدر استاذِ حدیث ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کا صرف صحیح بخاری شریف پڑھانے کا عرصہ نصف صدی پر مشتمل ہے ملک اور بیرونِ ملک کے بڑے بڑے شیخ الحدیث آپ کے تلامذہ کے حلقے میں شامل ہیں، حضرت نے اپنی سوانح زندگی املا کرانا شروع کی ہے، جسے جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل اور تخصص فی الفقہ کے طالب علم مولوی شمس الحق کشمیری ضبط کر رہے ہیں، اب تک دو ڈھائی سو صفحات ہو چکے ہیں اور یوں خود حضرت کی زبان سے ان کی زندگی کی سرگزشت مرتب ہو رہی ہے، اس سرگزشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے بغیر تصنع وتکلف کے زندگی کے واقعات کو ہو بہو بیان کر دیا ہے، بڑے لوگوں کی سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں میں بسا اوقات ایک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے طبعی زندگی سے ماوراء منفرد دکھائے جانے لگتے ہیں، سوانح نگار غالباً عقیدت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں، لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا قاری ان کو فطری تقاضوں، طبعی زندگی کی الجھنوں اور گردشِ لیل ونہار کی ہمہ گیر جکڑ بندیوں سے آزاد دیکھ کر یہ تاثر لے لیتا ہے کہ جو جھمیلے والی زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنا ممکن نہیں، وہ ان کی سوانح کو قابلِ رشک تو سمجھ لیتا ہے، قابلِ تقلید نہیں...... لیکن حضرت نے اپنی اس آپ بیتی میں طبعی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی آمیزش کے ذکر کر دیا ہے، زیرِ نظر زندگی کے بعض واقعات ——— پر مشتمل یہ سترہویں قسط نذرِ قارئین ہے، امید ہے کہ اسے ذوق وشوق سے پڑھا جائے گا۔ سوانح یا آپ بیتی کا فی الحال یہ نام اس ناکارہ نے علامہ اقبال کے اس مشہور شعر سے اخذ کیا ہے۔

میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ — میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

(مدیر)

سبق کے ختم ہونے کے بعد میں دار الحدیث سے آگیا اور یہ خیال کیا کہ ان حضرات کو سبق سن کر تسلی ہوگئی، مگر جب اگلے دن میں سبق کے لیے دار الحدیث پہنچا تو یہ دونوں حضرات پھر آ گئے تو مجھے ان کا یہ آنا اچھا نہیں لگا چنانچہ میں نے سبق پڑھایا اور گھنٹہ پورا ہو جانے کے بعد دس منٹ مزید لے لیے، مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے بخاری اور ترمذی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبق شروع کرایا تھا، وہ دوسرے اور تیسرے گھنٹے میں سبق پڑھاتے تھے، ان کے گھنٹے سے دس منٹ میں نے لے لیے، پھر کوئی میرا سبق سننے کے لیے نہیں آیا اور مولانا ظفر احمد صاحبؒ پانچ سات دن اپنے اسباق پڑھا کر حج کے لیے تشریف لے گئے اور ان کے اسباق موقوف ہو گئے ان کو کسی کے حوالے نہیں کیا گیا۔

مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ نے ایک طرف تو حضرت الاستاذ مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کو دعوت دی کہ وہ آکر دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کو سنبھالیں، اسی وجہ سے میرا، مولانا جمشید علی اور مولانا نصیر احمد کا ٹنڈولہ یار آنا ہوا، دوسری طرف انہوں نے مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ کو ڈھاکہ سے ٹنڈولہ یار آنے کی دعوت دی، حضرت مولانا عثمانی مدرسہ آلیہ ڈھاکہ سے ریٹائر ہو چکے تھے، چنانچہ وہ ٹنڈوالہ یار آگئے، مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے اس طرز عمل میں کیا حکمت تھی اس کو وہی بہتر جانتے ہوں گے، مولانا ظفر احمد صاحبؒ حج سے فراغت کے بعد ٹنڈوالہ یار آنے کے بجائے ڈھاکہ چلے گئے اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مشرقی پاکستان میں ایک متحدہ محاذ بنا تھا اور اس کی وجہ سے مسلم لیگ کی حکومت ختم ہو گئی تھی، مولانا عثمانیؒ مسلم لیگ کے حامی تھے اس لیے انہوں نے ڈھاکہ کا قیام اپنے حق میں مفید نہ سمجھا، لیکن جب مولانا حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے تو متحدہ محاذ کی حکومت فیل ہو گئی اور مسلم لیگ کی حکومت دوبارہ قائم ہو گئی اس لیے مولانا نے ٹنڈولہ یار کے مقابلے میں ڈھاکہ کے قیام کو ترجیح دی۔

طلباء کی ہڑتال

مولانا کے اسباق بند تھے اور سہ ماہی امتحان ہو چکا تھا، اسباق کا کوئی متبادل انتظام نہیں کیا گیا تھا، طلباء پریشان تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ جب طلباء نئے نظام سے یا مولانا عثمانی کی آمد سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے ہڑتال کر دی، مولانا احتشام الحق صاحبؒ تو وہاں ہوتے ہی نہیں تھے، مفتی اشفاق الرحمٰن صاحبؒ، مولانا مالک صاحبؒ اور دفتر کے منشی مولوی محمد یامین صاحب یہی امور مدرسہ انجام دیا کرتے تھے، جب ہڑتال ہوئی تو یہ حضرات جمع ہوئے مجھے بھی مشورے میں بلایا گیا، ان حضرات نے فیصلہ کیا کہ بخاری شریف کا سبق مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب پڑھائیں گے اور ترمذی کا سبق مولوی مالک پڑھائیں گے، مجھ سے بھی پوچھا گیا تو میں نے عرض کیا جو فیصلہ آپ نے کیا ہے مناسب ہے، چنانچہ اعلان لگ گیا لیکن طلباء اس تقسیم سے مطمئن نہیں تھے، انہوں نے اسٹرائک جاری رکھی اس پر مولانا مالک صاحب نے طلباء کو مسجد میں جمع کیا اور ان سے مؤاخذہ کیا کہ اسباق کا اعلان ہو جانے کے بعد آپ لوگ اسباق میں کیوں نہیں آئے، طلباء سر جھکائے بیٹھے رہے' انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا' اس پر مولانا مالک کی برہمی کچھ زیادہ ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ تمہیں اس فیصلے پر عمل کرنا ہوگا' طلباء خاموش رہے اور مولانا مالک ناکام دفتر میں واپس آگئے، مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب کے سامنے جب یہ صورت حال آئی تو انہوں نے فرمایا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ لوگ مجھ سے سبق پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہیں، میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ مولوی صاحب موجود ہیں ایک سبق ان کو دے دیا جائے یک مولانا مالک پڑھائیں، مفتی صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے، میں نے کہا کہ مجھے پہلے اعتراض تھا اور نہ اب ہے' آپ جو مناسب سمجھتے ہیں وہ کریں، پھر مفتی صاحب نے فرمایا کہ آپ بخاری پڑھائیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گے یا ترمذی تو میں نے عرض کیا کہ بخاری ہو تو اچھا ہے، اللہ معاف کرے کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ مولانا مالک جو شروع سے میرے تقرر کے مخالف تھے اور ان کا موقف تھا کہ ان کو حدیث کا سبق نہ دیا جائے ان کو شکست سے دوچار کرنا چاہیے، اور یہ جتادینا چاہیے کہ آپ کو ابوداؤد کے سبق پر اعتراض تھا اب میں یہاں بخاری پڑھاؤں گا، مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں، میں بخاری پڑھا چکا تھا چنانچہ اعلان کردیا گیا کہ بخاری اور ترمذی کے اسباق ان دو مدرسین کے سپرد کردیے گئے ہیں، بخاری میرے پاس اور ترمذی مولانا مالک کے پاس، نتیجہ یہ نکلا کہ طلباء نے ہڑتال ختم کردی اور فوراً سبق میں آگئے، مولانا مالک کا خیال تھا کہ اس معاملے میں میرا بھی ہاتھ ہے' اللہ بزرگ و برتر گواہ ہیں کہ میرا اس سلسلے میں طلباء سے کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ کچھ دن یہ سلسلہ چلا اور پھر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تشریف لے آئے اور انہوں نے بخاری' ترمذی کے اسباق پڑھانا شروع کردیئے، ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ہم نے جلال آباد حضرت الاستاذ کی خدمت میں لکھا کہ یہاں آنے کا ارادہ بالکل نہ کریں۔

ہندوستان آمد

ٹنڈو الہ یار کی آب و ہوا مجھے بھی راست نہ آئی اور میں بیمار رہنے لگا لیکن اس کے باوجود میں وہاں کام کرتا رہا، بقرہ عید کے موقع پر میں ہندوستان گیا تو حضرت استاذؒ نے بھی فرمایا کہ اب یہیں رہو' واپس نہ جاؤ مگر میں نے معذرت کی اور پاکستان واپس آنے کے ارادے پر قائم رہا، جب میں واپس ہو رہا تھا تو جلال آباد کے رہنے والوں کے ایک ہجوم اور مفتاح العلوم جلال آباد کے طلباء نے میرا گھیراؤ کیا اور اصرار کیا کہ ہم تمہیں جانے نہیں دیں گے، بڑی مشکل سے ان سے جان چھوڑ کر میں واپس آیا۔

دارالعلوم دیوبند حاضری

ادھر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ میں دارالعلوم دیوبند میں اساتذہ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا جب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت تعلیمات کے دفتر میں تشریف فرما تھے' مجھے دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور گلے لگایا' اور فرمانے لگے کہ مولوی صاحب آپ نے یہ کیا کیا، آپ مفتاح العلوم چھوڑ کر پاکستان کیوں چلے گئے، اور فرمایا کہ میں مولانا مسیح اللہ خان کو نہیں جانتا میں تو آپ کو جانتا ہوں، وہ تو بہت زمانہ سے مفتاح العلوم میں موجود تھے لیکن مدرسے نے ترقی نہیں کی تھی' آپ نے جو وہاں محنت کی' اس کی وجہ سے مدرسہ مفتاح العلوم کو عروج حاصل ہوا اور آپ کی کوشش سے اس مدرسہ نے بہت ترقی کی، میں نے عرض کیا کہ حضرت بہت مجبور ہو کر یہ قدم اٹھایا اور میں نے فخر الحسن صاحب کے ذریعہ آپ کو پہلے اطلاع کی تھی کہ اب میرا مفتاح العلوم میں رہنے کا ارادہ نہیں ہے، آپ کسی مناسب جگہ میرے لیے تدریس کا انتظام کردیں، تو آپ نے فرمایا تھا کہ مولانا مسیح اللہ خان صاحب اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اس لیے کوئی متبادل انتظام کرنا بے کار ہے، بہرحال مولانا بہت ہی متاسف تھے مگر وقت گزر چکا تھا اور تدارک کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی تھی۔

اسی طرح خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کے مہتمم مولانا ظہور الحسن صاحب نے اس موقع پر فرمایا کہ تم جلال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آباد کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے، یہاں خانقاہ اجاڑ کو میں نے معذرت کی کہ جلال آباد سے دو میل کے فاصلہ پر تھانہ بھون میں کام کرنے کے لیے میری غیرت اجازت نہیں دیتی، اس میں ایک طرح مدرسہ مفتاح العلوم کا مقابلہ ہوگا جو مجھے ہرگز گوارا نہیں، دوسرے اس سے میرے استاذ محترم کو تکلیف ہوگی جو میرے لیے نا قابل تصور ہے۔

کچھ مفتی وجیہ صاحبؒ سے متعلق

میں واپس دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار پہنچ گیا اور تدریس کا کام شروع ہوگیا، میرے ٹنڈو لہ یار آنے کے بعد مولانا مفتی محمد وجیہ بھی ایک سال کے بعد ٹنڈو الہ یار پہنچ گئے وہ مفتاح العلوم جلال آباد کے حالات سے کبیدہ خاطر تھے جب تک میں وہاں تھا تو ان کو کچھ نہ کچھ تسلی ہو جاتی تھی، میرے آجانے کے بعد انہوں نے بھی ٹنڈو الہ یار آنے کا فیصلہ کرلیا، وہ قابل استاد تھے، متقی اور پرہیز گار بھی تھے لیکن چونکہ مولانا احتشام تھانویؒ کی طلب کے بغیر آئے تھے اس لیے ان کو ابتدائی درجات کے اسباق دیے گئے۔

بعد میں جب میں ٹنڈو الہ یار سے آ گیا اور مولوی نصیر الدین واپس ہندوستان چلے گئے اور مولوی جمشید علی صاحب ٹنڈو الہ یار چھوڑ کر رائے ونڈ منتقل ہو گئے تب کہیں جا کر ان کو بڑے درجے کی کتابیں دی گئیں۔ بعد میں مولانا مالک صاحب' حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کا انتقال ہو جانے پر جامعہ اشرفیہ لاہور چلے گئے پھر کافی عرصہ بعد حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کا بھی انتقال ہوگیا اور مولانا مفتی محمد وجیہ ہی دار العلوم کا مدار بن کر رہ گئے' درمیان میں ان کو دار العلوم کراچی سے بھی پیش کش ہوئی اور جامعہ اشرفیہ لاہور سے بھی لیکن انہوں نے معذرت کرلی اور دار العلوم الاسلامیہ کو نہیں چھوڑا' مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ رہ کر انہوں نے فتویٰ کی مشق کی تو وہ ''مفتی محمد وجیہ'' بن گئے اور اسی طرح انہوں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے عملیات بھی سیکھے اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے بعد وہ دار العلوم اسلامیہ کے مفتی بھی رہے اور عملیات کا سلسلہ بھی انہوں نے بڑے پیمانے پر جاری کیا' دور دراز سے لوگ ان کے پاس عملیات کے لیے آیا کرتے تھے اور عملیات کے لیے مقرر کردہ وقت میں اچھا خاصہ مجموعہ ہو جاتا تھا' مفتی صاحب لوجہ اللہ یہ خدمات انجام دیتے تھے۔

ٹنڈو الہ یار آنے کے ساتھ ہی وہ وہاں کی جامع مسجد کے امام اور خطیب بھی مقرر ہو گئے تھے جس کو انہوں نے اپنے ٹنڈو الہ یار کے قیام تک بڑی پابندی سے نبھایا۔ آخر میں دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار کے حالات بہت زیادہ ناگفتہ بہ ہو گئے تو حیدر آباد کے احباب ان کو حیدر آباد لے آئے وہاں ان کے سمدھی احمد اللہ خان نے دار العلوم مظاہر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا یہ مدرسہ مفتی صاحب کے حوالے کیا گیا' احمد اللہ خان مظاہر علوم' سہارنپور کے پڑھے ہوئے تھے اور مظاہر علوم کے عالم کبیر مفتی سعید احمد صاحب کے داماد تھے' پاکستان آئے تو اپنی اہلیہ کو ساتھ نہیں لائے تھے' یہاں آکر پہلے کچھ دن جامعہ اشرفیہ سکھر میں مدرس رہے اور غالباً وہیں قیام کے زمانے میں انہوں نے دوسری شادی کرلی' پھر وہاں سے جب ہم نے ملیر میں ''جامعہ رشیدیہ'' کے نام سے ادارہ قائم کیا تو یہ ہمارے پاس آ گئے اور چند دن رہ کر از خود یہاں سے چلے گئے' پھر انہوں نے حیدر آباد میں ''دار العلوم مظاہر العلوم'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا' حیدر آباد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل خیر نے مفتی محمد وجیہ کو یہاں لا کر اس ادارے کو چلانے کی بات کی' دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو لہ یار کے حالات ابتری کا شکار تھے' اصلاح کی کوئی شکل نہ تھی تو مفتی صاحب نے یہاں حیدرآباد آنا قبول کر لیا' مفتی صاحب نے حیدرآباد آ کر ادارے کی تعلیم' اور تعمیر میں بہت نمایاں کردار ادا کیا' عمدہ قسم کی درسگاہوں اور دارالاقامہ وغیرہ کی تعمیر مکمل ہوئی اور موقوف علیہ کے درجات تک تعلیم کا سلسلہ قائم ہو گیا۔

زرعی کالج کے احوال

ٹنڈو الہ یار کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ زرعی کالج (جو اب زرعی یونیورسٹی بن چکا ہے) جانے کا اتفاق ہوا' کالج میں بیان تھا' جو عشاء کی نماز کے بعد ہوا' رات میں وہیں قیام رہا' صبح کی نماز میں جب مسجد میں حاضری ہوئی تو یہ دیکھ کر حیرت اور مسرت کی کوئی انتہاء نہ رہی کہ مسجد دیندار' متشرع نوجوان کالج کے طلباء سے بھری ہوئی تھی' نماز کے بعد بعض احباب سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ کالج کے ایک استاد تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں اور انہوں نے ہندوستان میں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت کے ساتھ جماعت میں وقت لگایا ہے' ان کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں طلباء میں دینداری آئی' بلاشبہ تبلیغی جماعت کے اثرات سے بہت سے حضرات میں یہ خوشگوار انقلاب پیدا ہوا۔

علیگڑھ کا دورہ:

دیوبند کی طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ علیگڑھ گئے تھے' ہمارے ایک ہم سبق ساتھی علیگڑھ یونیورسٹی کے طبیہ کالج میں پڑھتے تھے' ان کی ملاقات کے لیے یونیورسٹی بھی جانا ہوا تو انہوں نے کہا کہ چلیے! یونیورسٹی کی سیر کریں۔ میں سادہ لباس میں کرتا پائجامہ پہنے ہوئے تھا اور سر پر ٹوپی تھی' جب ہم یونیورسٹی کی سیر کے لیے نکلے تو جہاں سے گزرے ہر جگہ وہاں کے طالبعلموں نے ہماری ٹوپی کا مذاق اڑایا یہ حالت دیکھ کر میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ واپس چلیں' اس حالت میں سیر نہیں کی جا سکتی' یہ واقعہ طالب علمی کا ہے' بعد میں پھر ایک مرتبہ برادرم مولانا عبدالقیوم خان صاحب مرحوم وہاں طبیہ کالج میں پڑھ رہے تھے تو میں پاکستان سے انڈیا گیا تھا' ان کی ملاقات کے لیے علیگڑھ بھی جانا ہوا' وہاں بہت سے طلباء شرعی لباس میں ملبوس' وضع قطع میں علماء اور طلباء کی طرح نظر آئے' میں نے اپنے بھائی سے اس انقلاب پر تعجب کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگے کہ آپ کو یاد ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں مغرب کی نماز کے وقت حوض پر کتنا ہجوم ہوا کرتا تھا' یہاں امتحان کے زمانہ میں صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے والوں کا وضوء کی جگہ ویسا ہی ہجوم ہوتا ہے اور یہ تبدیلی تبلیغی جماعت کی محنت اور کوشش سے وجود میں آئی ہے۔

اسی طرح پاکستان سے انڈیا کے سفر میں دہلی میں جامع مسجد کے سامنے ایک کتب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا' جب عصر کی نماز کا وقت قریب آنے لگا تو میں نے کتب خانہ کے مالک سے اجازت چاہی کہ میں اپنی قیام گاہ جانا چاہتا ہوں' انہوں نے فرمایا کہ آپ عصر کی نماز یہیں پڑھیں' تبلیغی جماعت کا آج گشت ہے' مغرب کے بعد بیان ہوگا' بیان سن کر جائیے' میں ٹھہر گیا اور مغرب کے بعد بیان میں بیٹھ گیا' وہاں دس بارہ طلباء علی گڑھ یونیورسٹی کے آئے ہوئے تھے اور دا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب کے سب سائنس میں پی۔ایچ۔ڈی کررہے تھے جیسا کہ بیان کے وقت ان کے تعارف میں بتایا گیا۔ان کی وضع قطع بالکل شرعی تھی اور دیکھنے سے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ کسی یونیورسٹی کے طالب علم ہیں' عمریں بھی ان کی اچھی خاصی تھیں۔اس سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ علماء کی جماعت ہے' یہ تبلیغی کوشش اور محنت کا اثر تھا۔

ٹنڈوالہ یار کے زمانۂ قیام میں مختلف حالات وواقعات

ٹنڈوالہ یار کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ مولانا عبدالکریم صاحب مرحوم ساکن بیر شریف تشریف لائے اور ان سے ملاقات ہوئی' ملاقات کے وقت انہوں نے بتایا کہ میں طالب علم ہوں اور حیدرآباد میں پڑھتا ہوں' میں نے دریافت نہیں کیا کہ آپ کون سے مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور کیا پڑھتے ہیں؟ میں نیا نیا آیا تھا' حالات سے ناواقف تھا' بعد میں جب حالات سے آگاہی ہوئی اور مولانا مرحوم کے حالات بھی سامنے آئے تو خیال ہوتا ہے کہ شائد وہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی مرحوم کے پاس کچھ استفادے کے لیے آئے ہوں گے۔واللہ اعلم بالصواب

ٹنڈوالہ یار کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ شہداد پور کے مدرسہ حسینیہ میں بھی حاضری ہوئی' مدرسے کے بانی مولانا محمد حسین نے دعوت دی تھی' اس وقت یہ مدرسہ ابتدائی حالت میں تھا' بعد میں اس نے بڑی ترقی کی' مولانا مرحوم بانی مدرسہ کے انتقال کے بعد قاری رحمت اللہ اس کے منتظم رہے اور ان کے زمانے میں ترقی کا عمل جاری رہا' آج کل مولوی سلیم داماد مولانا جمشید علی صاحب' قاری عبدالرشید صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب ادارے کے روح رواں ہیں اور ماشاءاللہ بڑے پیمانے پر کام ہورہا ہے۔اسی طرح ایک مرتبہ نواب شاہ جناب خلیل احمد صاحب' خلیفہ مجاز استاد محترم مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کی دعوت پر حاضری ہوئی' ایک مدرسہ وہاں کی جامع مسجد میں قائم تھا' مدرسہ اپنے حضرات کا تھا اور مسجد کا انتظام بریلویوں کے پاس تھا' جس وقت میں حاضر ہوا تو مدرسے کی نوعیت کچھ حوصلہ افزا نہیں تھی' بہرحال کچھ بلوچ علماء اور اسی قسم کے کچھ طلباء تعلیم وتعلم میں مشغول تھے۔

مسجد کی حالت زار

ٹنڈوالہ یار کے زمانۂ قیام میں چند اساتذہ دیہات کی طرف نکل گئے' مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو قریب ہی ایک بستی نظر آئی' ہم لوگ وہاں پہنچے' چاندنی رات تھی' گاؤں میں مکانات پوس کے بنے ہوئے تھے اور آبادی مختصر تھی' ہم نے لوگوں سے پوچھا کہ مسجد کہاں ہے؟ مسجد کا پتہ معلوم ہونے پر وہاں گئے تو مسجد بھی پوس کی بنی ہوئی تھی' وہاں نہ کوئی نمازی تھا' نہ صف تھی' نہ مصلیٰ تھا' یہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ مسجد ہے' نماز کا وقت چونکہ ہوچکا تھا' اس لیے ہم نے نماز پڑھی اور بعد میں بستی کے لوگوں سے ملاقات کی' پانچ' سات آدمی ہمارے ساتھ مسجد آگئے' ہم نے کہا کہ یہ آپ کی مسجد کا حال کیوں خراب ہے' مسجد کی کوئی نشانی یہاں موجود نہیں' نماز پڑھنے بھی کوئی نہیں آیا؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہم مسلمان ہیں' ہمارے امام صاحب رمضان میں آیا کرتے ہیں اور نماز پڑھاتے ہیں' انہوں نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ رمضان کے علاوہ نماز کی ضرورت نہیں ہے' رمضان کی نماز ہی کافی ہے' تمہاری بخشش کی ذمہ داری مجھ پر ہے! جہالت کی انتہاء ہوگئی' یہاں کے لوگ جس طرح دین کے اعتبار سے انتہائی پس ماندہ تھے اسی طرح دنیا کے لحاظ سے بھی ان لوگوں کی حالت قابل رحم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھی' ہمارے ساتھ بیٹھ کر انہوں نے جب دین کی باتیں سنیں تو مانوس ہو گئے' اس لیے انہوں نے منع کرنے کے باوجود ہمارے کھانے کا انتظام کیا' انتظام یہ تھا کہ وہ روٹیاں پکا کر لائے اور پانی میں کچھ نمک اور مرچی گھول کر انہوں نے سالن بنایا' اسی سالن سے ہم نے روٹی کھائی اور ان کو تاکید کی کہ آپ باقاعدہ اپنے یہاں امام کا انتظام کریں اور اپنے کچھ آدمیوں کو تبلیغی جماعت میں بھیجیں' اس سے یہاں کے حالات بلکہ قرب وجوار کے حالات بھی دینی اعتبار سے بہتر ہوں گے۔

ٹنڈوالہ یار کوئی بڑا شہر نہیں تھا' ہمارے ہندوستان کے کیرانہ' گنگوہ اور دیوبند سے چھوٹا ہی تھا' لیکن ہندوستان کے ان قصبات میں ہوٹلوں کا نام ونشان نہیں تھا اور یہاں کئی ہوٹل موجود تھے اور پیسے والے لوگ ان ہوٹلوں میں پُر تکلف کھانے' کھانے کے لیے بڑی تعداد میں آتے تھے' جس ہوٹل کو دیکھو بھرا ہوا نظر آتا تھا' یہ کیفیت جو سراسر فضول خرچی' اسراف اور عیاشی کا مظہر تھی' دیکھ کر بہت افسوس ہوتا تھا۔

پاکستان آنے کے ساتھ ساتھ ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ یہاں باقاعدہ منظم مدارس کی بہت کمی ہے' جبکہ انڈیا میں اس کے برعکس پورے ملک میں مدارس کا جال بچھا ہوا ہے تو خیال یہ تھا کہ یہاں باقاعدہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے' یہ سلسلہ لاہور' ملتان' اکوڑہ خٹک اور کراچی میں شروع ہو گیا تھا' مگر یہاں پاکستان کی ضرورت کا تقاضہ تھا کہ نئے مدارس کا قیام بڑے پیمانے پر ہونا ضروری ہے۔

دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار کے حالات تسلی بخش نہیں تھے' تو ہم نے حیدر آباد میں لال مسجد ہیر آباد کے اندر ایک مدرسے کو قائم کرنے کا فیصلہ کیا' مولوی شمس الحق صاحب کو بھی جامعہ اشرفیہ لاہور سے فارغ ہونے کے بعد بلا لیا اور اپنے ایک شاگرد مولوی نور محمد کو ہندوستان سے بلا لیا اور مولوی عبدالحنان بنگالی کے تعاون سے مدرسہ قائم کیا' مولوی عبدالحنان حیدر آباد میں مقیم تھے اور متحرک آدمی تھے' مدرسہ شروع ہوا اور بعض طلباء پڑھنے والے آ گئے' میرا قیام ٹنڈوالہ یار ہی میں تھا اور ہر ہفتے حیدر آباد آ کر حالات کا جائزہ لیا کرتا تھا' مولوی شمس الحق صاحب کے لیے بھی ایک مسجد تجویز ہو گئی تھی اور مولوی نور محمد صاحب کے لیے بھی' دونوں حضرات اپنی اپنی مسجدوں میں درس قرآن دیا کرتے تھے اور یہاں مدرسے میں پڑھاتے بھی تھے' ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ میں ٹنڈوالہ یار کو چھوڑ کر حیدر آباد آ جاؤں' میرا خیال یہ تھا کہ جب کام جم جائے تب میں آؤں' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان حضرات کا مدرسے کے ساتھ وہ تعلق قائم نہ ہو سکا جس کی اس وقت ضرورت تھی' ایک ڈیڑھ سال تک کچھ کام ہوا اور بعد میں ان دونوں نے اپنی اپنی مسجد پر اکتفاء کر لیا اور مدرسے کے کام سے علیحدہ ہو گئے' پھر کچھ عرصہ بعد مولوی نور محمد صاحب تو ہندوستان واپس چلے گئے اور مولوی شمس الحق صاحب کو جب میں کراچی منتقل ہوا تو اپنے ساتھ دارالعلوم کراچی میں لے آیا اور مدرسے میں قرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا' بعد میں بھی بہت عرصہ تک وہ سلسلہ قائم تھا' ہمارا تعلق ختم ہو گیا تھا۔ اب کا حال معلوم نہیں۔

مولوی نصیر الدین صاحب صرف ایک سال دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں رہے اور سالانہ امتحان کے بعد پھر واپس نہیں آئے' وہ قرآن مجید کے حافظ تھے اور قرآن اچھا پڑھتے تھے' عیدالاضحیٰ کی چھٹیوں میں وہ شکار پور سندھ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت قاری فتح محمد صاحب کے پاس استفادے کی غرض سے گئے تھے انہوں نے میرے پاس چار سال میں از ابتداء تا دورہ تعلیم حاصل کی تھی، معلوم نہیں انہوں نے قاری موصوف سے میرے متعلق کیا کہا، حضرت قاری صاحب اس وقت سے لے کر بعد میں بہت زمانہ تک مجھ سے اصرار کرتے رہے کہ مجھے آپ ادب کی کوئی کتاب اور فقہ کی کوئی کتاب پڑھادیں، جب میں ٹنڈو الہ یار سے کراچی آگیا اس وقت بھی کئی مرتبہ یہ فرمائش کی جاتی رہی، لیکن ظاہر ہے کہ نہ میں اس کا اہل تھا اور نہ قاری صاحب کو اس کی ضرورت تھی، اس لیے میں نے ان کی یہ فرمائش قبول نہ کی۔ مولوی نصیرالدین واپس مفتاح العلوم جلال آباد چلے گئے تھے، وہاں سے ان کو تخصص فی الافتاء کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیج دیا گیا، وہاں ایک سال رہے اور دارالعلوم کی مسجد میں امامت بھی کرتے رہے، بعد میں واپس مفتاح العلوم آگئے اور وہاں افتاء کی خدمت ان کے سپرد کی گئی اور فقہ وحدیث کے اسباق ان کے متعلق رہے، حضرت مولانا مسیح اللہ خان کی حیات تک وہ یہ خدمات انجام دیتے رہے، بعد میں انہوں نے مفتاح العلوم سے علیحدگی اختیار کر لی اور مظفر نگر کے قریب کاولی میں کچھ عرصہ پڑھایا، پھر بڑوت ضلع میرٹھ میں انہوں نے مدرسہ قائم کیا۔ مدرسہ کا ابتدائی دور تھا، جب میں وہاں حاضر ہوا تو آثار سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ مدرسہ آگے چل کر ترقی کرے گا لیکن مولوی صاحب کی وفات ہوگئی، پھر معلوم نہیں کہ ادارے کا کیا حال ہوا۔

ناخوشگوار واقعہ:

ٹنڈو الہ یار کے زمانہ قیام میں ایک مرتبہ یہ ناخوشگوار واقعہ پیش آیا کہ میری والدہ محترمہ اور خالہ ہندوستان سے کراچی آئیں، ان کا میرے پاس آنے کا ارادہ تھا، اس لیے میں بروز جمعرات دارالعلوم اسلامیہ بتا کر کراچی آیا تھا، ارادہ یہ تھا کہ میں ان دونوں کو لیکر ٹنڈو الہ یار چلا جاؤں گا مگر یہاں پہنچنے پر تیز بارشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور مسلسل تین دن تک ایسی بارشیں ہوتی رہیں کہ آمدورفت کے ذرائع اور ٹیلیفون کا سلسلہ سب منقطع ہوگیا، تین دن کے بعد جب ریل کی آمدورفت شروع ہوئی تو پہلی گاڑی سے افراتفری کے عالم میں والدہ صاحبہ اور خالہ جی کو لے کر روانہ ہوگیا، گاڑی میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی، بڑی مشکل سے سوار ہوئے اور حیدرآباد سے جو گاڑی ٹنڈو لہ یار جانے والی تھی اس کی حالت تو بہت ہی زیادہ ابتر تھی مگر ہم کسی طرح سوار ہوگئے، ٹنڈو لہ یار اسٹیشن پر پہنچ کر اترنے کی تیاری تو بہت پہلے سے کر رکھی تھی، دونوں خواتین کو اسٹیشن پر اتارا لیکن سامان نہ اتارا جاسکا، پلیٹ فارم کی مخالف جانب بعض کھڑے آدمیوں کے ذریعہ سامان باہر پھینکا اور ریل گاڑی پلیٹ فارم سے نکل چکی تھی، میں چھلانگ لگا کر نیچے کود گیا یہ تو ہوا کہ میں زمین پر گر گیا، لیکن چوٹ نہیں لگی، سامان جمع کیا اور خواتین کے پاس پہنچا جو پریشانی کے عالم میں میرا انتظار کر رہی تھیں، اور پھر تانگے میں بیٹھ کر ہم لوگ دارالعلوم میں مکان پر پہنچے، حالات محتاج بیان نہیں تھے، مجبوری اور معذوری واضح تھی، اس کے باوجود مدرسے کی انتظامیہ نے میرے لیے رخصت کی منظوری نہیں دی اور تین دن کی تنخواہ وضع کر لی۔ بہرحال اس طرح کے حالات تھے، صحت بھی کافی متاثر ہوگئی تھی نظام بھی درست نہیں تھا تو میں نے ٹنڈو الہ یار چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ (جاری ہے......

© rasailojaraid.com